پاکستان

"دہشت گردی کے خلاف جنگ" میں انسانی حقوق نظر انداز کر دئیے گئے
ایگزیکیٹو سمری

پاکستانی حکومت نے امریکی قیادت میں " دہشت گردی کے خلاف جنگ " میں اپنے تعاون کے نتیجے میں انسانی حقوق کی متعدد خلاف ورزیاں کی ہیں۔ سینکڑوں لوگ ظالمانہ طور پر حراست میں لے لئے گئے ہیں کئی جبری گمشدگیوں سے دوچار ہوئے ۔ روابط سے محروم اور خفیہ مقامات پر رکھے گئے جن کے انجام اور اتے پتے کے متعلق جکومت کوئی معلومات مہیا کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ کئی لوگوں سے تشدد اور بدسلوکی کی گئی۔ جب ان کے اہل خاندان جو اپنے پیاروں کے انجام اور ان کے اتے پتے کے متعلق معلومات کی قلت سے بے حال ہیں، نے ان کے بارے میں کچھ دریافت کرنے کی کوشش کی تو ان کو ہراساں کیا گیا اور دھمکیاں دی گئیں ۔ habeas corpus کے حق جس کے تحت غیر قانونی حراست کو عدالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے، کو باقاعدہ طور پر کھوکھلا کر دیا گیا ہے۔ ریاست کے ایجنٹوں نے عدالت کی ہدایات پر عمل کرنے یا زیر حراست لوگوں کا اتا پتا بتانے سے انکار کر دیا اور عدالت میں ان کے بارے میں کوئی علم رکھنے سے منکر ہو گئے۔ کئی زیر حراست لوگوں کو غیرقانونی طور پر دوسرے ممالک خاص طور پر امریکہ کی تحویل میں منتقل کر دیا گیا۔

معظم بیگ، ایک برطانوی شہری، کو 31 جنوری 2002 کو اسلام آباد میں اپنے گھر سے پاکستانی اورامریکی ایجنٹوں کے ذریعے اغوا کیا گیا۔ *" پہلی بات جو مجھے معلوم ہوئی وہ میرے سر پر ایک گن تھی ---- میری پرامن شام کا اختتام صدمے اور بڑھتے ہوئے خوف سے ہوا --- انہوں نے میرے سر پر کپڑے کا ایک نقاب چڑھا دیا ---- مجھے ہتھکڑیاں لگا دیں --- اور مجھے گاڑی میں ڈال دیا۔ مجھے حکومت کی مکمل منظوری کے بعد اغوا کر لیا گیا تھا* " اس کو قندھار (افغانستان)، بگرام (افغانستان) اور گوانتا ناموبے (کیوبا) میں امریکی قید خانوں میں منتقل کر دیا گیا جہاں اسکو طویل عرصے کے لئے قید تنہائی اور اذیت دی گئی۔ اسکو جنوری 2005 میں برطانیہ کو واپس کر دیا گیا۔ کسی مرحلے پر بھی اس پر کوئی فرد جرم عائد نہ کی گئی۔

" دہشت گردی کے خلاف جنگ " میں پاکستان نے زندگی ، شخصی سلامتی، ظالمانہ گرفتاری اور حراست سے آزادی، دیگر بدسلوکی اور جبری گمشدگی اور قانونی تلافی اور دلجوئی کے حقوق سمیت انسانی حقوق کے وسیع سلسلے کی خلاف ورزی کی ہے ۔ ان تمام حقوق کی پاکستانی آئین اور بین الاقوامی قانون برائے انسانی حقوق میں حفاظت کی گئی ہے۔

"دہشت گردی کے خلاف جنگ " میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے شکار لوگوں میں شامل ہیں۔ پاکستانی اور غیر پاکستانی مشتبہ دہشت گرد، مرد عورتیں اور بچے، صحافی جنہوں نے "دہشت گردی کے خلاف جنگ " پر لکھا۔ اور طبی عملہ جنہوں نے مبینہ طور پرمشتبہ دہشت گردوں کا علاج کیا۔

چند زیر حراست افراد، جن میں سے کچھ کو طویل عرصوں کے لئے رکھا گیا تھا ۔ وہ بغیر کسی فرد جرم کے عائد کرنے کے رہا کر دئیے گئے۔ مبینہ طور پر ان کو خبردار کیا گیا کہ وہ اپنے تجربے کے متعلق خاموش رہیں۔ دوسروں پر ایسی فرد جرم عائد کی گئي جن کا دہشت گردی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ کئی افراد کو غیر قانونی طور پر، کسی قانونی کاروائی کے بغیر اور (*non-refoulement*) کے اصول کی خلاف ورزی

کرتے ہوئے دیگر ممالک میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ اصول لوگوں کو ایسے ممالک میں بیجھنے کی ممانعت کرتا ہے۔ جہاں انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزیوں کا اندیشہ ہو۔ سینکڑوں امریکی تحویل میں دے دئیے گیے۔ جو آخر کار گوانتاناموبے، بگرام ائر بیس یا دیگر مقامات کے خفیہ مراکز حراست میں پہنچا دئیے گئے۔ تاہم کئی قیدیوں کا کوئی حساب نہیں رکھا گیا۔ ان کے انجام اور اتے پتے کا کوئی علم نہیں۔

"دہشت گردی کے خلاف جنگ " کی خفیہ نوعیت کی وجہ سے یہ طے کرنا ناممکن ہے کہ ٹھیک کتنے افراد آمرانہ طور پر گرفتار اور محبوس کئے گئے، جبری طور پر غائب کر دئیے گئے ، بد سلوکی یا تشدد کا شکار ہوئے ، یا ماروائے عدالت قتل ہوئے۔ جون 2006 میں پاکستان کی فوج کے ترجمان میجر جنرل شوکت سلطان نے کہا کہ 2001 سے لیکر کوئی 500 تک " دہشت گرد " ہلاک کر دئیے گئے اور 1000 سے زائد جن میں غیر ملکی جنگجو اور ان کے مقامی سہولت کار بھی شامل ہیں، گرفتار کئے گئے ہیں۔

ممدوح حبیب، جو ایک آسٹریلوی باشندہ ہے، نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بتایا کہ 5 اکتوبر 2001 کو وہ اس بس میں سفر کر رہا تھا جس میں وہ دو جرمن آدمی بھی سفر کر رہے تھے جنکو سادہ لباس والے کئی آدمیوں نے حکم دے کر بس سے نیچے اتار لیا اس نے رضاکارانہ طور پر ان کے ساتھ رہنے کی پیشکش کی۔ کیونکہ ان کی انگریزی کمزور تھی۔ ان تینوں کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں ، آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور ایک گھر میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں انہیں تین یوم تک رکھا گیا۔ اور پھر ایک قیدخانے پہنچا دیا گیا۔ 12 دنوں کے بعد ممدوح حبیب کو بذریعہ طیارہ اسلام آباد پہنچایا گیا۔ جہاں پر اسکو دھمکیاں دی گئیں اور مارا گیا۔ دو ہفتوں کے بعد اسکو زنجیریں پہنا کر ، آنکھوں پر پٹی باندھ کر گھر پہنچانے کے وعدے پر ھوائی اڈے پہنچا دیا گیا۔ اسکی بجائے، اسے امریکی اہل کاروں کے حوالے کر دیا گیا،اسکے کپڑے اتار لئے گئے اور اسکو نیم بے ہوش کرکے مصر پہنچا دیا گیا۔ قاہرہ کے ایک قید خانے میں اسکو چھت پر لگے ہوئے کنڈوں سے لٹکایا گیا۔ برقی جھٹکے دئے گئے اور بجلی لگا کر مار دینے کی دھمکیاں دی گئیں ۔ 6 ماہ بعد اسکو پہلے افغانستان اور پھر گوانتانامو بے لے جایا گیا۔ جنوری 2005 میں اسکو بغیر کسی فرد جرم کے رہا کر دیا گیا۔

ایمنسٹی انٹر نیشنل کو تشویش ہے کہ پاکستان میں "دہشت گردی کے خلاف جنگ " میں سینکڑوں جبری گمشدگیوں اور دیگر خلاف ورزیوں کے خلاف محدود پیمانے پر احتجاج ہوا ہے سول معاشرے، سیاسی جماعتوں اور میڈیا نے زیادہ تر اس مسئلے کو نظر انداز ہی کیا ہے۔ دریں اثنا جبری گمشدگیوں کا معمول جو 2001 سے قبل بہت ہی کم تھا ، "دہشت گردی کے خلاف جنگ " کے تنا ظرسے باہر بھی عام ہو گیا ہے۔ مختلف پس منظر کے لوگ خاص طور پر بلوچ قوم پرست اور سندھی قائدین جبری گمشدگیوں سے دو چار ہوئے ہیں۔

دہشت گردی سے قانونی طور پر نبٹنا

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے عسکری جماعتوں جیسے القاعدہ کی جانب سے بلا تفریق حملوں اور شہریوں کو ہدف بنا کر حملے کرنے کی مستقل مذمت کی ہے، خصوصی طور پر اس تنظیم نے 11 ستمبر 2001 کو امریکہ پر حملوں کو انسانیت کے خلاف حملے قرار دیتے ہوئے مذموم قرار دیا ہے۔ ان حملوں اور اس طرح کے جرائم کے ذمہ دار تمام افراد کو انصاف کے کٹہرے میں لانا چاہئیے۔

پاکستان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جرائم، خصوصا متشدد جرائم جیسے دہشت گردی کے اقدام، کا تدارک کرے اور سزا دے۔ اس کے ساتھ ہی دہشت گردوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کے دوران

قومی اور بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون کا احترام کیا جائے۔ خفیہ حرا ست ، جبری گمشدگیوں، تشدد اور بد سلوکی ، بغیر کسی فرد جرم کے غیر معینہ حراست اور دیگر ممالک کو غیرقانونی منتقلی تمام کی قومی اور بین الاقوامی قانون کے تحت ممانعت ہے ۔

مئی 2006 میں پاکستان نئی قائم شدہ اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کے لئے منتخب ہوا ۔ جس نے جون میں، تمام افراد کی جبری گمشدگیوں سے حفاظت کے بین الاقوامی ڈرافٹ کنونشن کو منظور کیا[iii]۔ ڈرافٹ کنونشن جبری گمشدگیوں پر پابندیاں لگاتا ہےاور جبری گمشدگیوں کے وسیع پھیلاؤ یا باقاعدہ معمول کو انسانیت کے خلاف جرم قرار دیتا ہے ایمنسٹی انٹر نیشنل پاکستانی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس نے فروغ کے لئے جو معیار قائم کیا ہے اسکو برقرار رکھے۔

بین الاقوامی قانون کے مطابق تشدد اور تمام دیگر ناروا سلوک قطعی طور پر اور تمام حالات میں بغیر کسی استثنا کے ممنوع ہے۔ یہ اخلاقی طور پر نفرت انگیز ہوتے ہیں اور مظلوم کو کرب و الم پہنچانے کے علاوہ مرتکب کی تحقیر بھی کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف غیر قانونی ہوتے ہیں بلکہ آخرکار بےسود ہوتے ہیں۔ تشدد کے ذریعے حاصل کیے گئے "اعترافات" اکثر ناقابل اعتبار ثابت ہوتے ہیں کیونکہ زیرحراست افراد اپنی اذیت کے اختتام کے لئےکسی بھی بات کا "اعتراف" کر سکتے ہیں۔ بین الاقوامی قانون کسی کاروائی کے دوران تشدد یا بد سلوکی کے ذریعےحاصل کیے گئے بیانات کے استعمال کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ چنانچہ جبری طور پرحاصل کیے گئے اعترافات ایک شفاف مقدمے میں مشتبہ دہشت گردوں کو مجرم قرار دینے میں مدد نہیں کر سکتے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی کئی برسوں کی تحقیق نے دکھایا ہے کہ ریاست کی جانب سے "استثنائی حالات" میں منظور کی گئی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا نتیجہ بھی شدید دباؤ اور قانون کے لئے لاپروائي کی صورت میں ہی نکلا ہے۔

اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ ہو سکتا ہے انسانی حقوق کی کچھ خلاف ورزیاں "دہشت گردی کے خلاف جنگ " کے تناظر میں ، امریکی اہلکاروں کے ایماء پر کی گئی ہوں، لیکن ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے اس کے علاقے اور اسکے علم اور رضامندی کے ساتھ کی گئی تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے۔

آمرانہ گرفتاریاں اور حراستیں

پاکستان میں پکڑے گئے لوگوں کو القاعدہ یا طالبان کے ساتھ مبینہ روابط کے لئے قومی یا بین الاقوامی قانون برائے انسانی حقوق کے کسی حوالے کے بغیر گرفتار کیا گیا ہے اور حراست میں رکھا گیا ہے۔ تحویل کے حفاظتی اقدامات کودلیری سے نظر انداز کیا گیا ہے اور قانون کی حفاظت سے بالعموم انکار کیا گیا ہے۔

پاکستانی قانون اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ گرفتاریاں، زیادہ تر کیسوں میں پولیس کے ذریعے ایک قانونی وارنٹ برائے گرفتاری پیش کرتے ہوئے عمل میں لائی جائیں، زیادہ ترمشتبہ دہشت گرد اس طرح گرفتار نہیں کیے گئے۔ چند پر مسلمہ جرائم کی فرد جرم عائد کی گئی۔ زیادہ ترکیسوں میں حراست کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا ان کو کسی وکیل یا اپنے خاندان تک رسائی مہیا نہیں کی گئی۔ ان کو مجسٹریٹ کے سامنے جلد پیش نہیں کیا گیا۔

دہشت گردی کے مشتبہ مختلف حالات میں پکڑے گئے۔ انکی زیادہ تعداد اکتوبر 2001 میں امریکی قیادت میں حملے کے بعد افغانستان سے بھاگتے ہوئے پکڑی گئی اور انہیں آمرانہ حراست میں ڈال دیا گیا بلکہ جبری طور پر غائب بھی کر دیا گیا۔ کئی مشتبہ دہشت گرد ملک میں اور بیرون ملک بموں کے حملوں کے بعد وسیع گرفتاریوں میں حراست میں لئے گئے۔ پاکستانی اہلکاروں نے چند پاکستانی دہشت گردی کے مشتبہ دیگر ممالک سے گرفتار کئے جو اسی وقت سے جبری گمشدگی سے دوچار ہیں۔

گو 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' میں کی گئی تمام گرفتاریوں کے متعلق معلومات کمیاب ہیں، نامزد قبائلی علاقوں میں کی گئی گرفتاریوں کے بارے میں اور بھی کم معلوم ہے۔ چونکہ قبائلی جنگجؤوں اور حکومتی ایجنٹوں کی جانب سے دھمکیوں اور تشدد میں اضافہ ہو گیا تھا، اسلئے صحافی واپس آگئے اور وہاں کے واقعات کی اطلاع دینا موقوف کر دیا اورانسانی حقوق کے کسی آزاد محقق کو علاقے میں جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔

نامعلوم مشتبہ دہشت گردوں کے لئے بھاری انعامات کی پیشکش نے آمرانہ حراست اور جبری گمشدگی میں آسانی پیدا کی ہے۔ کئی افراد کو پاکستانی پولیس یا سرحدی اہلکاروں، فوجی عملے نے گرفتار کیا یا مقامی لوگوں نے پکڑ لیا اورانعام کے بدلے میں امریکی قانون نافذ کرنے والوں یا انٹیلیجنس کے عملے کے حوالے کیا۔

عادل کامل عبداللہ جو ایک بحرینی شہری ہے، افغانستان سے دسمبر 2001 میں نکلا۔ اس نے رپورٹ کیا:
"ہم نے پاکستانی فوج کی ایک سرحدی چوکی کو کافی دور سے دیکھا ... ہمارے پاس مؤثر اور قانونی کاغزات تھے ... پاکستانی اہلکاروں نے ہمارا خیر مقدم اچھے انداز سے کیا ... صبح کے وقت کار کا انتظار کرنے کے دوران، ہم کار کی بجائے، ایک فوجی ہیلی کاپٹر، کو دیکھ کربہت حیران ہوئے... یہ پشاور کے ہوائی اڈے پر اترا... ہوائی اڈے سے ہمیں بہت سے نگران سپاہیوں کے ہمراہ ٹرکوں میں پولیس کے ایک تھانہ میں لے جایا گیا... انہوں نے ہمیں قید خانے کی کوٹھڑیوں میں ڈال دیا... جو کہیں زیر زمین واقع تھیں اور انکے دروازے فولاد سے بنے ہوئے تھے۔ کوٹھڑی بہت گندی تھی ... ہم اس کوٹھڑی میں تقریبا" ایک ہفتے کیلئے ٹھہرے۔ اس قید خانے میں برتاؤ دہشت ناک تھا"۔ عادل کامل عبداللہ نے مزید بتایا کہ امریکی محافظوں نے بعد میں اسے بتایا کہ *" ہم نے تمہیں بہت ارزاں خریدا، فقط 5000 ڈالر میں"* امریکی فوج نے اسے بذریعہ طیارہ پہلے قندھار اور پھر گوانٹا نامو بے پہنچا دیا۔ اسے چار سال کی قید کے بعد 2005 میں رہا کیا گیا اور بحرین واپس بھیج دیا گیا۔

گوانٹاناموبے میں 85 فیصد زیرحراست افراد امریکی افواج کے ذریعے میدان جنگ میں نہیں پکڑے گئے تھے بلکہ افغان شمالی اتحاد کے ذریعے اور پاکستان میں اس وقت پکڑے گئے جب ہر"دہشت گرد" کو امریکہ کے حوالے کرنے کے لئے5000 ڈالر تک کے انعامات ادا کئے جاتے تھے[iv]۔ اکثر انکو بطور"دشمن جنگجو" حراست میں رکھنے کی بنیاد فقط انکے پکڑنے والوں کی جانب سے مہیا کی گئی قلیل اور ناقابل اعتبار شہادت ہوتی تھی۔

کئی قیدی نہیں جانتے کہ انہیں کہاں رکھا گیا تھا کیونکہ حراست کے دوران اور بظاہر تفتیس کے مقصد کیلئے مختلف جگہوں کو منتقلی کے دوران انکی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی تھی یا نقاب چڑھا دیا جاتا تھا۔ کچھ نے بتایا کہ انکو نجی گھروں میں رکھا گیا۔ دوسروں نے کہا کہ وہ قید خانوں میں رکھے گئے۔ صحافیوں اور انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں نے ایمنیسٹی انٹرنیشنل کو بتایا کہ وہ دہشت گرد مشتبہ افراد جو پاکستانی

انٹیلیجنس کے نزدیک اہم تھے "ایجنسیوں" -- پاکستانی انٹیلیجنس ایجنسیاں بشمول انٹر سروسز انٹیلیجنس (ISI) اور ملٹری انٹیلیجنس (MI) ، کی زیر نگرانی "محفوظ گھروں" میں رکھے جاتے تھے۔

اطفال

'دہشت گردی کے خلاف جنگ' میں مختلف عمروں کے بچے حراست میں لے لئے گئے ہیں اور قومی اور بین الاقوامی قانون میں شامل ضروری حفاظتی اقدامات سے محروم رکھے گئے ہیں۔ کچھ اپنے بالغ رشتہ داروں کے ہمراہ گرفتار کئے گئے۔ کچھ بذات خود دہشت گردی کے مشتبہ ملزم تھے۔ اور کچھ کو بطور یرغمال رکھا گیا تھا تاکہ رشتہ دار ہتھیار ڈال دین یا اقبال جرم کر لیں۔

جب 25 جولائی 2004 کو گجرات، صوبہ پنجاب میں تنزانین مشتبہ دہشت گرد احمد خلفان گیلانی کو گرفتار کیا گیا توتین عورتیں اور پانچ بچے بھی گرفتار ہوئے تھے۔ مبینہ طور پر ان میں ایک ننھا بچہ اور ایک 13- سالہ سعودی لڑکا، طلحہ شامل تھے۔ عورتوں اور بچوں کے انجام اور اتے پتے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

امریکی عملے کی شمولیت

سابقہ قیدیوں، صحافیوں، انسانی حقوق کے سرگرم کارکنوں اور دیگر لوگوں کی جانب سےاس امر کی متعدد رپورٹیں موجود ہیں کہ امریکی انٹیلیجنس ایجنٹوں نے پاکستان میں حراست کے خفیہ مقامات پر دیشت گرد مشتبہ افراد سے تفتیش کی ہے یا تفتیش کے وقت موجود تھے۔

امریکہ پر الزام ہے کہ اس نے پاکستان میں کوہاٹ اور علی زئی کے مقامات پر حراست کی خفیہ سہولتیں بنا رکھیں تھیں۔ [v] امریکہ کے انٹیلیجنس ایجنٹوں پر یہ بھی الزام ہے کہ انہوں نے قیدیوں کو نجی گھروں اور باقاعدہ مراکز حراست میں رکھا ہوا تھا اور ان سے تفتیش کرتے تھے۔ ان پر یہ بھی الزام ہے کہ وہ تشدد اور دیگر ناروا سلوک کے بارے میں آگاہ تھے یا ان میں فی الحقیقت شریک تھے اور انہوں نے قیدیوں کوافغانستان سمیت دیگر غیر اعلان شدہ مراکز حراست میں منتقل کیا تھا۔

تشدد

اپنی آزادی سے محروم اشخاص پر تشدد اور دوسرا ناروا سلوک پاکستان کے لئے مخصوص ہے[vi]۔ تربیت اورعدالتی اور دیگر سہولیات کی قلت کی بنا پر، قانون نافذ کرنے والے ادارے اور سیکورٹی ایجنسیاں تقریباکلی طور پر اقبال جرم پر انحصار کرتی ہیں، جو عموما" بذریعہ تشدد حاصل کیا جاتا ہے۔ تشدد کو زیر حراست افراد اور قیدیوں کو دھمکانے، ذلیل کرنے، ڈرانے اور سزا دینے کے لئے بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔

مشتبہ دہشت گردوں کی حراست کے گرد محیط رازداری وہ حالات مہیا کرتی ہے جس سے تشدد اور بد سلوکی پھلتی پھولتی ہے۔ تشدد کی جن اقسام کو زیر حراست افراد نے رپورٹ کیا، ان میں شامل ہیں: مارا جانا؛ الٹا لٹکا کے مارا جانا، بشمول پیروں کے تلووں پر، نیند او خوراک سے محرومی؛ چہرے پر نقاب چڑھانا؛ طویل قید تنہائی؛ اور قیدیوں اور انکے خاندانوں کو دھمکیاں۔ یہ طریقے اکثر ملا کر استعمال کئے جاتے ہیں۔ مبینہ طور پر تشدد حراست کے کئی مقامات پر کیا جاتا تھا؛ کچھ سابقہ قیدیوں نے بتایا کہ انہوں نے ایسے کمرے دیکھے تھے جو بظاہر تشدد کیلئے ہی بنائے گئے تھے۔

بینیام محمد الحبشی، ایک ایتھوپین، جسے اپریل 2002 میں کراچی ائر پورٹ سے گرفتار کیا گیا اور وسط جولائی تک کراچی میں رکھا گیا، نے بتایا کہ اسکو کلائیوں سے لٹکایا جاتا تھا، دن بھر میں فقط دو مرتبہ بیت الخلا میں جانے کی اجازت تھی، کھانا صرف ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن دیا جاتا تھا، ایک چمڑے کے پٹے کے ذریعے مارا جاتا اور اور بھری ہوئی بندوق اسکی چھاتی پر رکھ کر تمسخر سے دوچار کیا جاتا۔ اس نے اپنی شہادت میں بتایا کہ، " مجھے علم تھا کہ میں نے مر جانا ہے-- میں نے اسکی آنکھوں میں دیکھا اور خود اپنے خوف کو وہاں پر منعکس ہوتے ہوئے دیکھا۔"

جبری گمشدگیاں

جب سے 2001 کے اواخر میں پاکستان نے "دہشت گردی کے خلاف جنگ " میں شمولیت کی ہے، سینکڑوں لوگ جبری گمشدگی سے دوچار ہوئے ہیں۔ حکومت یہ تصدیق کرنے میں ناکام ہو گئی ہے کہ جبری گمشدگیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ سندھ کی عدالت عالیہ میں کی گئی ایک habeas corpus کارروا ئی میں ریاست کےایجنٹوں نے زیر حراست افراد کے انجام اور اتے پتے کے بارے میں مستقل طور پر انکار کیا ہے۔ باوجود گرفتاریوں کےعینی شاہدوں کی جانب سے تفصیلات کے اور ان کیسوں کے جن میں افراد بعد میں دوبارہ نمودار ہوگئے۔

جبری گمشدگیوں کی بعض مثالوں میں افراد کو ہفتوں یا مہینوں کی حراست کے بعد رہا کیا گیا۔

عارفہ اور صبا بلوچ دو بہنیں، اور عارفہ کی ساس گل ہمدانہ، مبینہ طور پر سوات میں 4 جون 2005 کو دیگر مشتبہ دہشت گردوں کے ہمراہ گرفتار کی گئیں۔ دونوں جوان عورتیں وسیع طور پر متوقع خودکش بمبار بیان کی جاتی تھیں۔ جب ریاست کے تمام ایجنٹوں نے انکے اتے پتے کے بارے میں علم سے انکار کیا، تو انکی طرف سے داخل کی گئی habeas corpus درخواست خارج کر دی گئی۔ ستمبر 2005 میں گل ہمدانہ پشاور کے ایک بس اسٹاپ پر چھوڑ دی گئی لیکن وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ یہ انکشاف کرنے سے قاصر تھی کہ اسکو کہاں رکھا گیا تھا۔ جنوری 2006 میں دونوں بہنیں چھوڑ دی گئیں۔

جبری گمشدگی سے دوچار کئی دیگر اشخاص پر بعد میں مختلف قوانین کے تحت جرائم کی فرد جرم عائد کی گئی۔ کم ازکم ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ انتقال کر گیا۔

صحافی حیات اللہ خان جس کی عمر 32 سال تھی اور وہ چار بچوں کا باپ تھا، کی لاش 16 جون 2006 کو میرالی، شمالی وزیرستان کے قریب سے، اسکی جبری گمشدگی کے چھ ماہ بعد ملی۔ مبینہ طور پر اسکی نعش انتہائی لاغر تھی، اسکو ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں اور بظاہر اسکی سر کی پشت پر گولی لگی ہوئی تھی۔ یکم دسمبر 2005 کو کئے گئے ایک میزائل حملے میں امریکہ کے ملوث ہونے کی شہادت کی تصویر بنانے کے بعد 5 دسمبر 2006 کو مبینہ طور پر اسے سادہ کپڑوں میں ملبوس مسلح افراد نے اٹھایا تھا۔ اہل خانہ نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ حیات اللہ خان کو کئی مہینوں سے گمنام دھمکیاں مل رہی تھیں۔ نعش کے ملنے کے بعد، اسکے بھائی نے بتایا کہ اہلکاروں نے پہلے اسکو یقین دہانی کروائی تھی کہ اسکے خاندان کو حیات اللہ خان کے بارے میں جلد ہی "اچھی خبر" ملے گی۔ وسیع طور پر پھیلے ہوئے احتجاج کے بعد سرکاری تحقیقات کا حکم دیا گیا ہے لیکن انکے نتائج عام نہیں کئے گئے۔